OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

آں حضور ﷺ کے غزوات وسرایا کی معاشی جہات

Economic Aspects of Prophet Muhammad's *Ghazwāt* and *Sarāyā*

Muhammad Obaidullah

Doctoral Candidate, Institute of Islamic Studies Punjab University Lahore

Prof. Dr. Muhammad Saad Siddiqui

Ex Director, Institute of Islamic Studies, Punjab University Lahore

Abstract

Allah has entrusted some requirements to man, one of them is the necessity of livelihood. This requirement is very important to sustain life. There is an abundance of livelihood resources in the universe for every human being. Allah Almighty has created the means of providing them. Access and distribution of these resources is the responsibility of man. Lack of livelihood resources is not the main cause of economic oppression and injustice, but unfair and wrong distribution of these resources is the real reason. Then man comes to war to maintain control over these resources. Wars were fought to capture the resources of other nations and peoples. And this tradition has existed in every age and time and among the followers of every religion. The concept of booty after the end and victory of war and jihad is not only in Islam, but there are evidences of it in Bani Israel and other nations as well. It was not maintained for the possession of resources or resources, but it was allowed to achieve higher objectives such as establishing peace and ending sedition. Invasions and raids occurred at different times of the Prophet's covenant. Their effects have different dimensions and among them, the most important and prominent dimension is related to livelihood. In this discussion, the economic aspects of *Ghazwāt* and *Sarāyā* will be reviewed.

Key words: Economic Oppression, Invasions, Economic aspects, *Ghazwāt, Sarāyā*

CC BY

تمہید

میں بھی اس کے شواہد موجود ہیں اسلام نے اس میں موجود کوتاہیوں اور خامیوں کو دور کیا اور جہاد اور جنگ کو محض ہوس ملک گیری یا وسائل پر انسان کو اللہ تعالیٰ نے کچھ تقاضے ودیعت کیے ہیں ان میں سے ایک لازمی تقاضا معاش کا بھی ہے۔ یہ تقاضا زندگی کو بر قرار رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ کائنات میں ہر انسان کے لیے معاش کے وسائل کی کثرت ہے۔ ان کی فراہمی کے اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا کر رکھے ہیں۔ ان وسائل تک دسترس اور تقسیم خود انسان کے ذمے ہے۔ وسائلِ معاش کی کمی معاشی ظلم ونا انصافی کی بنیادی وجہ نہیں بلکہ ان وسائل کی غیر منصفانہ اور غلط تقسیم اصل وجہ ہے۔ تبھی انسان ان وسائل پر قبضہ و تصرف قائم رکھنے کے لیے جنگ و جدال پر اتر آتا ہے۔ جنگیں دیگر اقوام وعوام کے وسائل کو قبضہ میں لانے کی غرض سے لڑی جاتی تھیں۔ اور یہ ہر دور اور زمانہ اور ہر مذہب کے پیروکاروں میں روایت موجود رہی ہے۔ جنگ اور جہاد کی حلت اور فتح کے بعد مالِ غنیمت کا تصور صرف اسلام ہی میں نہیں ہے بلکہ بنی اسرائیل اور دیگر اقوام قبضہ کے لیے بر قرار نہ رکھا بلکہ قیام امن اور فتنہ کا خاتمہ جیسے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے اس کی اجازت دی۔ عہدِ نبوی کے مختلف اوقات میں غزوات وسرایا پیش آئے، ان کے اثرات کی مختلف جہات ہیں اور ان میں سے اہم اور نمایاں جہت معاش سے متعلق ہے۔ اس بحث میں غزوات وسرایا کی معاشی جہات کا مدلل جائزہ لیا جائے گا۔

غزوہ

غزوہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کی جمع " غزوات " ہے۔ یہ لفظ "غزا الشئ غزوا " سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی، قصد، ارادہ اور طلب کرنا ہے۔ ابنِ منظور افریقیؒ لکھتے ہیں:"غزا الشئ غزوا": اراده و طلبه ۔ و غزوات فلانا اغزوه غزوا ------والغزو: القصد"[1] "غزا الشيي غزوا ": کا معنی ہے اس نے اس (شے) کا ارادہ کیا اور اس کو طلب کیا۔ "غزوات فلانا" کا معنی ہے میں نے اس کا ارادہ کیا، "الغزو " سے مراد ارادہ کرنا ہے۔ معروف ماہر علم نحو امام خلیل بن احمد الفراہیدیؒ اپنی تصنیف " کتاب العین "میں غزوہ کی تعریف میں لکھتے ہیں:"غزو:غزوت اغزو غزوا ، والواحدة غزوة "غزو : غزوت میں نے غزوہ کیا، اغزو غزوا اور اس کی واحد غزوہ آتی ہے۔ مزید لکھتے ہیں:"وجمع الغزوة غزوات ۔ وتقول للرجل : ما غزوتک ای ما تعنی بما تقول ۔ و اغزيته ای : بعثته الی الغزو[2]" غزوہ کی جمع غزوات ہے۔ آپ آدمی سے کہتے ہیں" ما غزوتک "یعنی جو تم نے بات کی ہے اس سے کیا مراد لی ہے۔؟ اغزيته "اس کا معنی ہے کہ میں نے اس کو غزوہ کے لیے بھیجا۔ اصطلاح میں غزوہ کی تعریف اس انداز میں کی جاتی ہے۔ " كل ما خرج النبی ﷺ فيه سماه المؤرخون (غزوة) سواء حارب فيها ام لم يحارب "[3] مؤرخین ہر اس لڑائی کو غزوہ قرار دیتے ہیں جس کے لیے نبی کریم ﷺ نکلے ہوں خواہ اس میں آپ ﷺ نے قتال کیا ہو خواہ نہ کیا ہو۔ امام تقی الدین مقریزیؒ لکھتے ہیں: " اصطلح الرواة و اصحاب السير، ان الغزوة ھی الحرب التی يحضرها رسول الله ﷺ بنفسه[4]" ماہرین سیر ومغازی کے نزدیک غزوہ اس جنگ کو کہتے ہیں جس میں رسول کریم ﷺ بنفسِ نفیس شریک ہوئے ہوں۔ علامہ شبلی نعمانیؒ غزوہ کے متعلق لکھتے ہیں: "مؤرخین نے غزوہ کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لیے دو چار آدمی بھی کہیں بھیج دیئے گئے تو اس کو بھی انہوں نے غزوہ میں شمار کر لیا۔ غزوہ کے علاوہ ایک اور اصطلاح سریہ بھی ہے۔ غزوہ اور سریہ میں لوگوں کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ میں کم از کم آدمیوں کی ایک خاص تعداد ضروری ہے جبکہ سریہ میں تعداد کی کوئی قید نہیں ہے۔ بعض کے نزدیک غزوہ کے لیے یہ شرط ہے کہ آنحضور ﷺ نے بنفسِ نفیس اس میں شرکت کی ہو۔"[5] مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے غزوہ کی تعریف اس طرح کی ہے: "جس جہاد میں آپ ﷺ نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی علماء سیر کی اصطلاح میں اس کو غزوہ کہتے ہیں۔"[6]

سریہ

سریہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ (س، ر، ی) ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ رات کے وقت چلنا ہے۔ صاحب لسان العرب لکھتے ہیں: والسُّرى: سَيْرُ الليلِ عامَّتهِ، وَقِيلَ: السُّرى سيرُ الليلِ كلِّه[7]۔ "السری" کا مطلب رات کا اکثر حصہ چلنا ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "السری" کا معنی ساری رات چلنا ہے۔ مزید لکھتے ہیں: "وسَرَيْت سُرىً ومَسْرىً وأَسْرَيْت بِمَعْنَى إِذَا سِرْت لَيْلًا"[8] وسریت سری ومسری وأسریت اس کا معنی ہے کہ جب آپ رات کو سفر کریں۔" والسَّرِيَّةُ: مَا بَيْنَ خَمْسَةِ أنفسٍ إِلَى ثَلَاثِمائَةٍ، وَقِيلَ: هِيَ مِنَ الْخَيْلِ نَحْوُ أَربعمائةٍ، ولامُها ياءٌ. والسَّرِيَّة: قِطْعَةٌ مِنَ الْجَيْشِ؛ يقال: خيرُ السَّرايا أَرْبَعُمائةِ رجلٍ۔"[9] السریہ تین سو سے پانچ سو کے درمیان ہو۔ یہ بھی رائے ہے کہ یہ چار سو کے قریب گھڑ سواروں کو کہتے ہیں۔ اس کا لام کلمہ " یاء " ہے۔ السریہ لشکر سے جدا ہونے کو بھی کہا جاتا ہے۔ بہترین سریہ چار سو افراد کا ہوتا ہے۔ "وأما السَّرِيَّة مِنْ سَرايا الجيوشِ فَإِنَّهَا فَعِيلة بِمَعْنَى فاعِلَة، سُمِّيت سريَّةً لأَنها تَسْري لَيْلًا فِي خُفْيةٍ لئلَّا يَنْذَرَ بِهِمُ العدوُّ فيَحْذَروا أَو يَمْتَنِعُوا"[10] السریۃ من سرایا الجیوش سے ماخوذ ہے۔ یہ "فَعِيلة" کے وزن پر ہے جو "فاعلہ" کے مفہوم میں ہے۔ اس کا نام سریہ اس لیے رکھا جاتا ہے کیونکہ یہ رات کو خفیہ طور پر نکلتا ہے تا کہ دشمن ان سے ڈرے اور ان سے گریز کرے۔ احمد بن محمد بن علی الفیومی "المصباح المنیر" میں رقمطراز ہیں: "وَالسَّرِيَّةُ قِطْعَةٌ مِنْ الْجَيْشِ فَعِيلَةٌ بِمَعْنَى فَاعِلَةٍ لِأَنَّهَا تَسْرِي فِي خُفْيَةٍ وَالْجَمْعُ سَرَايَا وَسَرِيَّاتٌ"[11]۔ السریہ لشکر کا ہی حصہ ہوتا ہے یہ " فَعِيلة" کے وزن پر ہے جو "فاعلہ" کے مفہوم میں ہے۔ اس کا نام سریہ اس لیے رکھا جاتا ہے کیونکہ یہ رات کو خفیہ طور پر نکلتا ہے۔ اس کی جمع سرایا اور سریات ہوتی ہے۔

غزوات و سرایا کی معاشی جہات

بلاشبہ جنگ انسانی اعمال و افعال میں سب سے زیادہ قبیح عمل اور بہیمانہ فعل ہے۔ اکثر اوقات انسان میدانِ جنگ میں انسانیت کے شرف اور معیار سے بھی گر جاتا ہے، اخلاقیات اور اعلیٰ انسانی قدروں سے عاری ہو جاتا ہے۔ اور درندگی کا جامہ پہن لیتا ہے۔ اسلام میں جہاد کی فرضیت اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لیے ہے۔ اس لیے آپ ﷺ نے تمام وحشیانہ طور طریقوں کو ممنوع قرار دیا اور اصلاحات فرمائیں کہ بے دردی، سفاکی اور وحشت و درندگی کی جگہ ترحم، انسانیت اور عدل و انصاف پر مبنی جذبات و رجحانات میدانِ جنگ کے اوصاف بن گئے۔ ستائیس کے قریب اسلامی عساکر کی قیادت حضور ﷺ نے خود فرمائی اور اکثر اسلامی لشکر کا سپہ سالار کسی صحابی کو بنا کر بھیجا اور باقاعدہ خصوصی ہدایات سے نوازتے۔ غزوات و سرایا کے معاشی اثرات کا جائزہ حسبِ ذیل جہات کی صورت میں لیا جاتا ہے۔

فتنہ کا خاتمہ

غزوات و سرایا نبویؐ کی معاشی جہات میں فتنہ کا خاتمہ بھی اہم اور نمایاں جہت ہے۔ اس سے معاشرہ پرامن ہوتا ہے۔ اور ماحول سے افراتفری اور بے چینی کی فضا بھی ختم ہوتی ہے۔ جب معاشرہ پرامن ہو گا تو معاشی ترقی میں بھی بہتری آئے گی اور لوگ امن اور سکون کی زندگی بسر کریں گے۔ فتنہ کے خاتمہ کا تفصیل سے جائزہ لینے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کا لغوی مفہوم اور اس کے مختلف استعمالات کو واضح کیا جائے تا کہ معاشی جہات میں اس کی اہمیت کو واضح کیا جا سکے۔ فتنہ کا مادہ فَتَنَ سے ہے۔ اس کی جمع فتنات اور فِتَن ہے۔ اس کا معنی ہے آگ میں تپانا۔ اور اس کا معنی آزمائش بھی ہے۔

اصطلاح میں اس سے مراد کہ یہ انسان کے اندر موجود خیر اور شر کی صورت حال کو واضح کرتا ہے۔ آزمائش کے وقت کسی معاملے کے باطنی امور کا ظاہر ہوتا۔ یہ ایک امتحان اور آزمائش ہے۔ فَتَنَ کے معنی سونے کو آگ میں پگھلانے کے ہیں تا کہ اس کا کھرا کھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔[12]

قرآن پاک میں لفظ فتنہ مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اگر اس لفظ کا فاعل اللہ ہو اور اس کی نسبت خدا کی طرف ہو تو آزمائش کے معنی ہیں اور اگر اس کی نسبت انسانوں کی طرف ہو تو قرآن نے درج ذیل معنی میں لفظ کو استعمال کیا ہے۔

۱۔ کمزوروں پر ظلم، ان کے جائز حقوق سلب کرنا۔ دربدر کرنا، تکلیفیں پہنچانا۔ ارشاد ہے: "ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جَاهَدُوْا وَصَبَرُوْا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِها لَغَفُورٌ رَحِيم"[13] "وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ"[14]

۲۔ جبر واستبداد کے ساتھ حق کو دبانا اور قبول حق سے لوگوں کو منع کرنا۔

"فَما آمَنَ لِمُوسىٰ إِلاَّ ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلى خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ"[15]

۳۔ لوگوں کو گمراہ کرنا اور حق کے خلاف خدع و فریب و طمع کی کوشش کرنا۔

"وَإِنْ كادُوْا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِيْ أَوْحَيْنا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنا غَيْرَهُ وَإِذاً لاتَّخَذُوكَ خَلِيْلاً"[16]

۴۔ غیر حق کے لیے جنگ کرنا اور ناجائز اغراض کے لیے قتل و خونریزی کرنا۔

"وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَقْطارِهَا ثُمَّ سُئِلُوْا الْفِتْنَةَ لَآتَوْها وَما تَلَبَّثُوا بِها إِلاَّ يَسِيراً"[17]

۵۔ حق پرستوں پر باطل پرستوں کا غلبہ اور ظلم و زیادتی۔

"إِلاَّ تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ"[18]

قرآن کی تعبیر فتنہ کی اس مختصر تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے ہے کہ ہر وہ عمل جو اخلاقی سماجی معاشی سیاسی ظلم و تشدد پر مبنی ہو حقوق انسان پر دست درازی کا ذریعہ ہو، جبر و تشدد اور ناحق قتل و خونریزی کا باعث ہو اس عمل کی نسبت خواہ افراد کی طرف ہو، جماعت کی طرف ہو یا حکومت کی طرف ہو سب فتنہ ہے۔ مذکورہ بالا مفسدانہ اعمال سے تمدن میں بگاڑ اور لوگوں میں خوف و ہراس پیدا ہوتا ہے۔ ان افعال کی جامع ترین تعبیر فساد ہے۔ غزوات و سرایا کی جہات میں سے ایک جہت اس فتنہ کا خاتمہ بھی ہے۔ سورہ بقرہ اور انفال میں کفار مکہ سے لڑنے اور قتال و جہاد کے لیے اس کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ "وَقاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ"[19] "اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کوئی فتنہ نہ رہے اور دین اللہ کا رہے۔"

سید قطب اپنی معرکہ آراء کتاب فی ظلال القرآن میں لکھتے ہیں:

> "دفع الأذى والفتنة عمن يعتنقون هذا الدين، ويعلنون تحررهم من حاكمية الإنسان، ويرجعون بعبوديتهم لله وحده، ويخرجون من العبودية للعبيد في جميع الصور والأشكال.. وهذا لا يتم إلا بوجود عصبة مؤمنة ذات تجمع حركي تحت قيادة تؤمن بهذا الإعلان العام، وتنفذه في عالم الواقع، وتجاهد كل طاغوت يعتدي بالأذى والفتنة على معتنقي هذا الدين، أو يصد بالقوة وبوسائل الضغط والقهر والتوجيه من يريدون اعتناقه ، تحطيم كل قوة في الأرض تقوم على أساس عبودية البشر للبشر، في صورة من الصور، وذلك لضمان الهدف الأول، ولإعلان ألوهية الله وحدها في الأرض كلها، بحيث لا تكون هناك دينونة."[20]
>
> ان لوگوں سے نقصان اور فتنہ کو دور کرنا جو اس مذہب کو قبول کرتے ہیں، اور انسانی حکومت سے آزادی کا اعلان کرتے ہیں، اور اپنی بندگی صرف خدا کی طرف لوٹتے ہیں، اور غلاموں کی غلامی سے ہر شکل و صورت میں نکل جاتے ہیں۔ یہ صرف وجود کے ساتھ ہی ہو سکتا ہے۔ ایک ایسے مومن گروہ کی جس کی قیادت میں ایک متحرک گروہ ہے جو اس عمومی اعلان پر یقین رکھتا ہے، اور اسے حقیقی دنیا میں نافذ کرتا

ہے۔ یہ ہر اس ظالم کے خلاف جدوجہد کرتا ہے جو اس مذہب کے ماننے والوں پر نقصان اور فتنہ کے ساتھ حملہ کرتا ہے، یا طاقت اور طاقت کے ذریعے پسپا کرتا ہے۔ دباؤ، جبر اور رہنمائی ان لوگوں کی جو اسے اپنانا چاہتے ہیں. زمین پر ہر اس طاقت کو تباہ کرنا جو انسانوں کی غلامی پر مبنی ہے- کسی بھی شکل میں- پہلے مقصد کو یقینی بنانے کے لیے، اور پوری زمین میں صرف خدا کی الوہیت کا اعلان کرنا، تاکہ کوئی ملامت نہ ہو۔

فتنہ کی تعبیر مولانا عبد الرحمن کیلانی نے کچھ یوں بیان کی ہے: فتنہ کا لفظ بڑا وسیع المعنی ہے اور یہاں اس کا مفہوم اسلام کے خلاف ہر وہ معاندانہ کوشش ہے جو اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن رہی ہو اسی کو راستے سے ہٹانے اور اسلام کی راہ صاف کرنے کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ ان معاندانہ سرگرمیوں کی دو اقسام ہیں۔ ایک یہ کہ جہاں مسلمان رہتے ہوں وہاں کے کافر انہیں شرعی احکام بجالانے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کریں یا ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیں۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ مسلمان اپنی جگہ تو آزاد ہوں مگر دوسروں تک اسلام کی آواز پہنچانے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جائیں۔[21]

تفسیر قرطبی میں فتنہ کا مفہوم ہے: یعنی کفر نہ رہے فتنہ سے مراد شرک اور وہ تمام چیزیں ہیں جو مسلمانوں کی اذیت کا باعث تھیں۔[22] مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ اس حوالہ سے رقم طراز ہیں: یا فتنہ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جس میں انگریزی کا لفظ (Presecution) استعمال ہوتا ہے یعنی کسی گروہ یا شخص کو محض اس بنا پر ظلم و ستم کا نشانہ بنانا کہ اس رائج الوقت خیالات و نظریات کی جگہ کچھ دوسرے کے خیالات و نظریات کو حق سمجھ کر قبول کر لیا ہے اور وہ تنقید و تبلیغ کے ذریعے سے سوسائٹی کے موجود الوقت نظام میں اصلاح کی کوشش کرتا ہے سوسائٹی کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی خدائی فرمانروائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے فتنے کی حالت ہے۔[23]

ان سب سے یہ بات نمایاں طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ عقیدہ کی آزادی میں حائل جو بھی اور جس نوعیت کی رکاوٹ ہو اس کو فتنہ کہا جائے گا۔ لوگوں کو دین برحق اختیار کرنے سے روکنا اور غلط عقائد و نظریات اپنانے پر مجبور کرنے کا نام بھی فتنہ ہے۔ اس طرح دعوت کی راہ میں روڑے اٹکانا اور آزادانہ دعوتی سرگرمیوں کی اجازت نہ ہونا فتنہ کی ایک شکل ہے۔ لوگوں پر جبر، ظلم وستم، تشدد جیسے سنگین معاملات کو روا رکھنا۔ امن سکون و اطمینان سے زندگی بسر نہ کرنے دینا بھی فتنہ سے موسوم ہے۔ غزوات و سرایا میں اسی فتنہ کا قلع قمع کرنا پیش نظر تھا تاکہ لوگوں پر اس ظلم و ستم، تشدد، قتل و غارت بہت مذہبی آزادی سے محروم لوگوں کی کی مدد کی جائے اور ظلم و ستم کا خاتمہ کرکے ان کو بلاخوف زندگی میں آگے بڑھنے کا مواقع فراہم کیے جائیں۔ اور یہی قیامت تک جہاد کا مطمع نظر ہے اور رہے گا۔ اسلام اور جہاد کا اولین مقصد یہ ہے کہ مسلمان مامون مطمئن ہو کر اللہ کی عبادت کر سکیں اور ایمان و توحید کی دولت کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو۔

غارت گری کا خاتمہ

قبل از اسلام عربوں کے بڑے بڑے اور مشہور قبائل اور ان قبائل سے منسلک پہلوان اور شعراء غارت گری میں معروف تھے یہ عمل ان کے لیے شہرت کے حصول کا ذریعہ اور طاقت و جواں مردی کے اظہار کا ذریعہ تھا اس سے ان کے معاش کا بھی انتظام ہوتا تھا اس غارت گری کا نتیجہ یہ نکلا کہ قبائل میں سے کسی بھی قبیلہ کی جان اور مال محفوظ نہ تھا۔ اس سے لوگوں کے مال لوٹنے والے امیر اور دولت مند بن گئے۔ جبکہ طبعاً شریف اور کمزور لوگ مفلسی کا شکار ہو گئے۔ اس غارت گری کے عمل سے اگر کوئی محفوظ تھا تو وہ قبیلہ قریش تھا کیونکہ بیت اللہ کا متولی اور مجاور ہونے کی وجہ سے غارت گر قبائل بھی انہیں احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو بھی غارت گری کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ کیوں کہ آپ ﷺ اور اصحاب رسول بیت اللہ کے جیران نہیں رہے تھے۔ ان کا بھی جان و مال محفوظ نہیں تھا۔ ہر وقت غارت گر قبائل سے خوف اور ڈر میں

مبتلا تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے ہے کہ نبی کریم ﷺ کی جب مدینہ تشریف آوری ہوئی تو راتوں کو جاگا کرتے تھے، ایک رات عرض کیا:

سمعت عائشة رضي الله عنها، تقول :كان النبي صلى الله عليه وسلم سَهِر، فلما قدم المدينة، قال" :ليت رجلاً من أصحابي صالحاً يحرسني الليلة"، إذ سمعنا صوت سلاح، فقال" :من هذا؟"، فقال :أناسعد بن ابى وقاص جئت لأحرسك، ونام النبي صلى الله عليه وسلم[24]

کاش میرے اصحاب میں سے کوئی صالح آدمی آج رات پہرا دیتا پھر ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی تو آپ نے فرمایا: یہ کون ہے اس نے کہا: میں سعد ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاسبانی کے لئے آیا ہوں اس کے بعد نبی کریم ﷺ محو استراحت ہو گئے۔ رئیسِ مکہ کرز بن جابر فہری نے مدینہ منورہ کی چراگاہ پر غارت گری کی نبی اکرم ﷺ کے جانور لوٹ کر لے گیا اس کا تعاقب کیا گیا مگر وہ بچ کر بھاگ گیا۔

ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں: نبی کریم ﷺ جو داعی امن وسلامتی تھے مجھے نے ایسے ایسے غارت گر قبائل کو سبق سکھانے کے لئے ان کے خلاف سرایا بھیجے تا کہ ایسے سرکش قبائل کی سرکوبی کر کے ان کے اموال مارے جائیں۔ اور نتیجہ انہیں معاشی طور پر کمزور کر کے خود مسلمانوں اور دیگر قبائل عرب کو ان کی غارت گری سے محفوظ کیا جاسکے۔"[25]

دشمنان اسلام کی معاشی قوت کو کمزور کرنا

جنگ کے نمایاں اثرات اور مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہوتی ہے کہ دشمن کو معاشی اور اقتصادی لحاظ سے کمزور کیا جائے تا کہ وہ اس قدر مجبور ہو جائے کہ ہتھیار ڈال دے یا صلح کے لئے تیار ہو جائے۔ بیشتر اوقات حالت جنگ میں دشمن کی تنصیبات کو نشانہ بنانا۔ جنگی حکمت عملی کا نمایاں حصہ ہوتا ہے نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنے غزوات و سرایا میں اس حکمت عملی کو اختیار کیا، تا کہ اس کے ذریعے دشمنان اسلام کو مجبور کریں تا کہ ریاستِ مدینہ اور مرکزِ اسلام کے خلاف اپنی معاندانہ سرگرمیوں کو ترک کر دیں۔ یا ان کے دائرہ کار کو محدود کر دیں۔ عصر حاضر میں یہ حکمت عملی نہایت کارگر ثابت ہوئی ہے کسی مخالف اور دشمن ملک یا قوم کے خلاف براہ راست جنگ کی بجائے معاشی پابندیاں، معاشی ناکہ بندی کی حکمت عملی اختیار کی جاتی ہے۔ اس ملک یا قوم کو معاشی اعتبار سے کمزور کیا جائے تا کہ اس میں حملہ کرنے یا مقابلہ کرنے کی استعداد اور طاقت بالکل ختم ہو جائے۔

نبی کریم ﷺ نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے دو طرح کے حکمت عملی اختیار کی۔

ا۔ غارت گر قبائل پر چھاپے مارے۔

۲۔ دشمن کے تجارتی قوافل کو تنگ اور پریشان کیا۔

غارت گر قبائل پر چھاپوں کے ذریعے غارت گری کا خاتمہ پر گذشتہ اوراق میں بحث ہو چکی ہے۔ اس بحث میں دشمن کے تجارتی قافلوں کو پریشان کرنا اور اس کے ذریعہ ان کی معاشی قوت کو کمزور کرنے کا مفصل ذکر کریں گے۔ کفار مکہ کہ پیشہ کے اعتبار سے تاجر تھے ان کی تجارت ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مسلم تھی۔ ان کی معیشت میں تجارت شہ رگ کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس تجارت سے ان کو بہت زیادہ منافع حاصل ہوتا تھا۔ اس حاصل شدہ منافع سے جہاں اپنی معاشی ضروریات پوری کرتے تھے وہیں اس کو مسلمانوں اور نبی کریم ﷺ کے خلاف استعمال کرتے تھے:فَقَالَ صَفْوَانُ بْنُ أُمَيّةَ: إنّ مُحَمّدًا وَأَصْحَابَهُ قَدْ عَوّرُوا عَلَيْنَا مَتْجَرَنَا، فَمَا نَدْرِي كَيْفَ نَصْنَعُ بِأَصْحَابِهِ، لَا يَبْرَحُونَ السّاحِلَ، وَأَهْلُ السّاحِلِ قَدْ

وَادَعَهُمْ وَدَخَلَ عَامّتُهُمْ مَعَهُ، فَمَا نَدْرِي أَيْنَ نَسْلُك، وَإِنْ أَقَمْنَا نَأْكُلُ رُءُوسَ أَمْوَالِنَا وَنَحْنُ فِي دَارِنَا هَذِهِ، مَا لَنَا بِهَا نِفَاقٌ ، إنّمَا نَزَلْنَاهَا عَلَى التّجَارَةِ، إلَى الشّامِ فِي الصّيْفِ وَفِي الشّتَاءِ إلَى أَرْضِ الْحَبَشَةِ[26]
صفوان بن امیہ نے نہایت افسوسناک انداز میں کہا: محمد ﷺ اور ان کے اصحاب نے ہماری تجارتی شاہراہ کو نہایت مشکل بنادیا ہے۔ آخر ہم اس کے ساتھیوں سے کیسے نمٹیں، وہ ساحل چھوڑ کر ہٹتے ہی نہیں ہیں۔ ساحل والے باشندے بھی صلح کر کے ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ اب سمجھ نہیں آتا کہ ہم کون سا راستہ اختیار کریں۔ اگر ہم گھر بیٹھے رہیں گے تو اپنا رأس المال بھی کھا جائیں گے اور پھر ہمارے لیے کچھ بھی نہیں بچے گا۔ ہماری معشیت کا تو دارو مدار ہی گرمیوں میں شام کی تجارت اور سردیوں میں حبشہ کی تجارت پر ہے۔
ڈاکٹر نور محمد غفاری رقم طراز ہیں: آپ ﷺ کے اکثر و بیشتر غزوات و سرایا اسی مقصد کے لیے پیش آئے کہ قریش مکہ کے تجارتی قوافل کی ناکہ بندی کر کے قریش کی تجارتی شہ رگ کو کاٹ دیا جائے یا کمزور کر دیا جائے تاکہ اموالِ تجارت سے منافع کمایا جائے اور نہ ہی اس سے مرکز اسلام کے خلاف سرگرمیوں میں استعمال کیا جاسکے۔ گو تجارتی ناکابندی کے اکثر اقدامات میں مستشرقین اور ان کے مقلدین کے نزدیک ایک آپ ﷺ کو ناکامی ہوئی۔ یعنی تجارتی قوافل اور کارواں بچ کر نکل جاتا اور آپ ﷺ اس کا سامان تجارت حاصل نہ کر سکے۔ بعض نادانوں نے اسے آپ ﷺ کی قلت تدبیر کا نتیجہ بھی قرار دیا۔ مگر ان لوٹ کھسوٹ ہی کو کامیابی قرار دینے والوں کو کون سمجھائے کہ آپ ﷺ کا مقصد تو قریش کے تجارتی قافلوں کو ہراساں کر کے نقل و حرکت کو روکنا تھا نہ کہ سامانِ تجارت کو لوٹنا تھا۔[27]وقد كانت نتائج هذه السرية على المعسكر الوثني سيئة للغاية حيث هزت كيان قريش وبثت الرعب في نفوس رجالها، وفتحت أعينهم على الخطر المحدق بهم والذي أصبح يهدد طريق تجارتهم، وبالتالي اقتصادهم"۔[28]کافروں کے کیمپ پر اس رازداری کے بہت برے نتائج مرتب ہوئے، کیونکہ اس نے قریش کی ہستی کو ہلا کر رکھ دیا اور اس کے ادمیوں کے دلوں میں دہشت پھیلا دی اور ان کی آنکھیں ان کے لیے آنے والے خطرے کی طرف کھول دی، جس سے ان کے تجارتی راستے اور معیشت کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جن غزوات و سرایا کو بھیجا وہ معاشی ناکہ بندی کے لیے تھے۔ تاکہ ان پر اقتصادی بدحالی کا دباؤ ڈال کر معاندانہ روش اور سرگرمیوں سے دور کر دیا جائے۔ جن کی وجہ سے قریش پر امن اور آزادانہ تجارتی اسفار کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان سرایا کا مقصد ان کے تجارتی اسفار میں رکاوٹ ڈالنا تھا۔"استهدفت إرباك قريش وحلفائها، وإضعافهم، وتحطيم معنوياتهم بضرب نشاطهم التجاري الذي يمثل عصب حياتهم، وشريان وجودهم۔" [29]اس کا مقصد قریش اور اس کے اتحادیوں کو الجھانا، ان کو کمزور کرنا اور ان کی تجارتی سرگرمیوں کو نشانہ بنا کر ان کے حوصلے کو توڑنا تھا۔ جو ان کی زندگی میں ریڑھ کی ہڈی اور ان کے وجود کی شریان کی نمائندگی کرتا ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: مکہ ایک بنجر خطہ ارض ہے جہاں نہ تو کوئی زراعت ہے اور نہ ہی صنعت وغیرہ اہلِ مکہ کا واحد ذریعہ معاش تجارت تھا۔ یمن اور یورپ کے درمیان تجارتی کاروانوں کی آمدورفت تھی مکہ اور شام سے ہو کر گذرتے تھے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں مکہ سے جانے والے کارواں اہل مکہ کی خوشحالی اور دفاع کا سبب تھے۔ اس وقت (تجارتی اغراض سے) یمن کا ایسا سفر بیکار سمجھا جاتا تھا جس میں شام سے وہ اشیاء نہ لائی گئی ہوں جن کے تبادلے میں یمنی اشیاء خریدیں جاسکیں۔ مدینہ منورہ، یمن اور شام کے درمیان ان اہم تجارتی شاہراہ پر ایک اہم شہر تھا۔ تجارتی قافلوں کا مدینہ کے علاقے سے نہ گزرنا قریش کے اہم تجارتی مفادات کے منافی تھا۔ اس وجہ سے وہ بزور طاقت اس شاہراہ پر اپنی آمدورفت جاری رکھنا چاہتے تھے۔ یہی وہ بنیادی اسباب تھے جن کی بنا پر انہوں نے مسلمانوں سے جنگ چھیڑی۔ قدرتی طور پر اہل مکہ ان حالات کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہیں تھے۔ چنانچہ جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ ان کے عظیم کارواں کا بدر کے قریب پیچھا کیا گیا تو انہوں نے اپنی پوری طاقت کو مجتمع کیا تاکہ وہ مسلمانوں کو سبق سکھا سکیں لیکن اس میں وہ بری طرح ناکام ہوئے۔[30]

مسلم دنیا کے معروف سکالر ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں: مدینہ منورہ سے باہر واقع مختلف قبائل کا دورہ کیا۔ خاص طور پر وہ قبائل جو قریش کے ان تجارتی کاروانوں کے راستوں پر پڑتے تھے۔ جو عراق، شام یا مصر آتے جاتے تھے آپ ﷺ نے ان قبیلوں سے دفاعی معاہدے کرنے کی کوشش کی جس میں آپ ﷺ کامیاب ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ اس علاقے کے ان قبائل کو مجتمع کر کے اہل مکہ پر معاشی دباؤ ڈالا جائے۔ جن کے شمال کی طرف جانے والے کارواں اس راستے سے آتے جاتے تھے۔ اس طرح کے اقدام کی تمام دفاعی اور اخلاقی بنیادوں پر پوری گنجائش تھی۔ کفارِ مکہ نے مسلمانوں کی جائیداد وغیرہ پر قبضہ کر لیا تھا جو ہجرت کر کے مدینہ آ گئے تھے۔ پھر ان دونوں (اہلِ مکہ اور اہلِ اسلام) میں حالتِ جنگ تھی۔ موجودہ دور میں بھی اس حالت میں متعلقہ فریق کو یہ دفاعی حق حاصل ہے کہ وہ دشمنوں کے آدمیوں کو قتل کر دے، یا پکڑے، یا دشمن کی املاک پر قبضہ کر لے۔ اہلِ مکہ کا اپنے تجارتی منافع کو مدینہ میں رہنے والے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ مندرجہ بالا معاہدوں کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے صرف یہی طلب کیا تھا کہ اہل مکہ اسلامی منطقے (Zone) سے نہ گزرے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ جب ان کو ڈر ہو کہ ایسا کرنے پر ان کے کاروان پکڑے جائیں گے اور اگر اسلامی حدود سے نہیں گزرتے تو انہیں کسی قسم کا خطرہ نہیں ہے۔[31]

مدنی دور حکومت کے ابتدائی عرصہ میں نبی کریم ﷺ نے بذات خود اور دیگر صحابہ کو سپہ سالار بنا کر قرب وجوار کے علاقوں میں آباد قبائل سے معاہدوں کے لیے سفر کیے۔ لشکر اسلامی کی نمائندگی بھی کی تاکہ ان کی قبائل سے حریفانہ معاہدات کے ذریعے قریش مکہ سے لاتعلق کر دیا جائے۔

معروف عرب عالمِ دین الدکتور کامل سلامۃ کے بقول:فقد استطاعت تلك السرايا، والغزوات انظار اعداد الدعوة الاسلامية الى قوة المسلمين، ارهب الافاعى اليهود به، والقبائل الوثنية المحيطة بالمدينه، وجعل الجميع يعمل الف حساب قبل ان تحدثه نفسه بغزوالمدينة، ضرب مصالح قريش الاقتصادية، وقطع طرق تجارتها، وخصوصاً الى بلاد الشام، مما كلفهازياده عدد حراس قوافلها، وارتفاع قيمة بضائعها عدا عن الرعب والخوف الذى يستعر به رجال القوافل و اصحاب الاموال فى مكه على حد سواء"۔[32] "غزوات و سرایا سے دشمنان اسلام کو مسلمانوں کی طاقت کا اندازہ ہوا اور ان کے دلوں پر اہل مدینہ کی دھاک بیٹھ گئی۔ مشرکین عرب اور یہود میں سے ایک مدینہ کا رخ کرنے سے پہلے ہزار بار اپنے انجام پر غور کرتا تھا قریش کی تجارت و معیشت پر کاری ضرب لگی اور تجارتی قافلوں کے لیے پہرے داروں کی فراہمی سے ان کے اخراجات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔"

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ غزوات و سرایا کے معاشی اثرات میں یہ بات بھی شامل تھی کہ قریشِ مکہ کی تجارت پر کاری ضرب لگائی جائے تاکہ مستقبل میں ان کے شر اور فتنہ سے نوزائیدہ ریاست محفوظ و مامون رہے۔ نبی کریم ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ آزادانہ دعوتی اور تبلیغی سر گرمیاں انجام دے سکیں۔كانت حركة السرايا التي تقوم بها الدولة الإسلامية قد أثرت على اقتصاد قريش وفرضت عليهم حصارًا اقتصاديًا قويًا، وكان الاقتصاد المكي قائمًا على رحلتي الشتاء والصيف، رحلة الشتاء إلى اليمن وتحمل إليها بضائع الشام ومحاصيلها، ورحلة الصيف إلى الشام تحمل إليها محاصيل اليمن وبضائعها، وقطع أحد جناحي هاتين الرحلتين ضرب للجناح الآخر، لأن تجارتهم إلى الشام قائمة على سلع اليمن، وتجارتهم إلى اليمن قائمة على سلع الشام"۔[33] دولت اسلامیہ کی طرف سے کمپنیوں کی نقل و حرکت نے قریش کی معیشت کو متاثر کیا تھا اور ان پر سخت اقتصادی ناکہ بندی کر دی تھی اور مکہ کی معیشت کا دارومدار موسم سرما اور موسم گرما کے سفر، یمن کے موسم سرما کے سفر اور فصلوں کے سامان اور فصلوں پر

تھا۔ شام کو اس میں لایا گیا، اور یمن کی فصلوں اور سامان کو لے کر شام کا موسم گرما کا سفر، اور ان دونوں سفروں کے دو بازو میں سے ایک دوسرے بازو کے مخالف ہے، کیونکہ شام تک ان کی تجارت سامان پر مبنی ہے۔ یمن کے، اور یمن سے ان کی تجارت شام کے سامان پر مبنی ہے۔"

ڈاکٹر مؤنس حسین اپنی تصنیف دراسات فی السیرۃ النبویۃ میں غزوات و سرایا کی معاشی جہات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فقد وادع رسول الله قبيلة جهينة وحالفها، وكذالك بعض القبائل الضاربة فى تلك المنطقة من اجل تحييدها فى الصراع الدائر بين مكة والمدينة، ولعمل على كسبها فى هذا الصراع وذالك (لان الا صل ان هذا القبائل تميل الى قريش، وتتعاون معها، اذ بينهما محالفات تاريخة سماها القرآن الكريم بالايلاف سعت قريش من خلالها لتامين تجارتها مع الشام واليمن"۔[34]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ جہینہ اور بعض دیگر جنگجو قبائل سے حریفانہ معاہدے کئے تاکہ وہ مکہ اور مدینہ کی جنگ میں غیر جانبدار رویہ اپنائیں۔ یہ قبائل قریش کے پرانے حلیف تھے۔ قرآن نے ان کے حلیفانہ تعلقات کو ایلاف سے موسوم کیا۔ ان معاہدات سے قریش کی تجارت کو مستقل خطرات لاحق ہوئے اور علاقائی سطح پر مسلمانوں کا اثر و رسوخ بڑھا۔"

تمام غزوات و سرایا کا مقصد لڑائی یا قتال ہرگز نہ تھا بلکہ بعض غزوات اور سرایا کا مقصد تجارتی شاہراہ پر آباد قبائل سے دوستی اور حلیفانہ تعلقات استوار کرنا بھی تھا تاکہ مسلمانوں کو اہم تجارتی راستہ پر مکمل کنٹرول حاصل ہو اور یہ مشرکین مکہ کی آزادانہ تجارتی سرگرمیاں بند ہوں یا پھر ان کو متبادل راستہ جو مشکل اور مالی اخراجات زیادہ ہوں، اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ عرب میں ان کی معاشی اجارہ داری کا خاتمہ بھی ہو سکے۔ غزوات و سرایا کے نمایاں معاشی اثرات اور جہات میں یہ بھی اثر اور جہت بھی شامل تھی۔

مالِ غنیمت اور فئے کا عادلانہ استعمال

جنگوں میں فاتح فوج کو جو مال مفتوح فوج سے حاصل ہوتا اس کو مال غنیمت کہا جاتا ہے۔ ہر مذہب تہذیب اور علاقے میں یہ اصول رہا ہے کہ مفتوح قوم اور فوج کا مال جو جنگ کے بعد ہاتھ لگے فاتح فوج اور قوم کے لیے مباح اور جائز ہے۔ مالِ غنیمت کا تصور یا یہ سوچ کہ مسلمان صرف مالِ غنیمت کے لیے جنگ اور جہاد میں شرکت کرتے تھے بالکل خلاف حقیقت ہے۔ نہ صرف اسلام بلکہ یہودیت اور دیگر کئی مذاہب میں بھی اس سے متعلق ہدایت اور احکام موجود ہیں۔ بنی اسرائیل جب جہاد کرتے تو ان کو بھی فتح کے بعد ملنے والا مال، مالِ غنیمت شمار ہوتا۔ اگرچہ اس کو ذاتی استعمال کی اجازت نہ تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر تہذیب، قوم، مذہب اور علاقے میں مال غنیمت کا تصور اور اصول موجود تھا۔ یہی چیز اسلام میں بھی جائز اور مباح قرار دی گئی۔ سابقہ مذاہب میں مال غنیمت کے حوالے سے جو احکام میں کہیں کوئی کمی تھی تھی اس کمی کو پورا کرتے ہوئے جامع نظام کے طور پر متعارف کروایا تا کہ اس کے فیض سے بہت زیادہ لوگ بہرہ مند ہو سکیں۔ اسلام سے پہلے فتح کے بعد ملنے والا مال محض ایک خاص شخص کے استعمال میں آتا باقی لوگ اسے محروم رہتے ہیں یا پھر اس کا استعمال بالکل ممنوع تھا کھلے میدان میں پڑا گل سڑ جاتا۔ جب کہ اسلام نے مالِ غنیمت کا ایسا عادلانہ اور منصفانہ نظام متعارف کروایا کہ جس سے ہر ایک شخص تک کہ وہ جنگ میں شریک ہوا یا نہیں ہوا اس کا طے شدہ حصہ پہنچ جائے گا۔ سورہ انفال سورۃ توبہ میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ اور اصول مفصل انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

"وَاعْلَمُوْا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِيْ الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ"[35]

"اور معلوم رہے کہ تم کو کسی بھی چیز سے کچھ مالِ غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کریم کے واسطے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے لئے ہے۔ اور ان کے قریبی رشتہ داروں کے لئے ہے یتیموں، مساکین اور مسافروں کے لئے ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا مبنی بر عدل اصول بنایا گیا ہے۔ آپ ﷺ سے قبل زمانہ جاہلیت میں حاکم یا کسی قبیلہ کا رئیس غنیمت کا چوتھا حصہ خود رکھ لیتا اور تمام عمدہ اور اعلیٰ چیزیں اپنے لئے منتخب کر لیتا، مالِ غنیمت کا سارا مال اسی کا تصور کیا جاتا تھا جو لوٹ لیتا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے غزوات وسرایا کے ذریعے اس طرح ظالمانہ اور جانبدارانہ طریقہ تقسیم مالِ غنیمت کی اصلاح فرمائی۔ جاہلیت کے طریقہ کو مسترد فرمایا۔ سرکاری خزانہ میں (¼) چوتھائی کی بجائے (⅕) پانچواں حصہ جمع ہو گا۔ مالِ غنیمت لوٹنے والا ہی اس کا حقدار نہ ہو گا بلکہ پوری فوج یا لشکر کو اس کا حصہ ملے گا۔ مالِ غنیمت کو انفرادی مال کی بجائے اجتماعی مال قرار دیا۔ صرف جہاد میں شریک لوگوں کو ہی اس میں حصہ نہ دیا بلکہ جو افراد کسی شرعی عذر اور سرکاری ذمہ داری کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوئے ان کو بھی حصہ ملا۔

آپ ﷺ کا ایک اور احسن اقدام سماج میں معاشی تفاوت کو ختم کرنے کے لئے اور امام مجاہد اور سپاہی کا مالِ غنیمت میں حصہ بالکل برابر رکھا۔ کسی بھی تفریق اور امتیاز کو روا نہ رکھا۔ اس طرح پیدل کو ایک حصہ جبکہ پر سوار کو دو حصّے دیے تاکہ مسلمانوں میں جہاد کے لیے گھوڑے پالنے کا شوق پروان چڑھے۔ اور گھڑ سوار مجاہدین کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔ ایک اور اصلاحی پہلو یہ بھی مد نظر رکھا کہ مالِ غنیمت کا (⅕) حصہ بیت المال یا سرکاری خزانہ کی ملکیت قرار دیا نہ کے سربراہِ ریاست کی ذاتی ملکیت۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ سرکاری خزانہ میں جمع شدہ مال کو مصالح عامہ پر خرچ کیا جائے۔ اموالِ غنیمت کے عادلانہ استعمال کے حوالے سے ڈاکٹر نور محمد غفاری لکھتے ہیں:

اموالِ غنیمت کے سلسلہ کا قیام اللہ کریم نے ہجرت مدینہ اور مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی تاسیس کے بعد فرمایا۔ ہجرت سے پہلے مسلمان سہمے ہوئے تھے اور جہاد باسیف کی اجازت بھی نہ تھی۔ ہجرت مدینہ کے بعد ان کی خود اعتمادی بے باکی اور جرات میں اضافہ ہوا۔ انہوں نے کفار اور یہود سے جہاد کیا۔ جنہوں نے اسلام قبول کیا اب ان کے بھائی بن گئے اور جو لڑے ان کے اموال بطور غنیمت حاصل کیے گئے جو اسلام اور مسلمانوں کی شوکت اور غلبہ کا موجب اور کفار کی معاشی بدحالی اور پریشانی کا موجب بنے۔[36]

اموالِ غنیمت میں صرف اسلحہ نقدی اور زیورات ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ زمین وغیرہ بھی شامل تھیں۔ اموالِ غنیمت میں شامل اراضی تین قسم کی ہیں۔ ایک جو کہ قہر اور غلبہ سے حاصل ہوئی کسی ملک یا شہر کو صلحاً فتح کیا گیا اس میں دو طرح کے احکام ہیں۔ اہل علاقہ فتح کے بعد مسلمان ہو جائیں اور امام المسلمین کی اطاعت قبول کر لیں۔ اس طرح کی صورت حال میں ہر فرد اپنی اپنی منقولہ وغیر منقولہ املاک کا مالک و متصرف ہو گا۔ امام اور حکام اسلام کو ان کی املاک میں کسی تصرف کا اختیار نہیں۔

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ، وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ ۔[37]

اگر انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیا۔

اس کی ایک اور جہت یہ بھی ہے کہ اہل علاقہ مسلمان نہ ہو مگر بلا مقابلہ صلح کے ساتھ امام المسلمین کی اطاعت قبول کر لی۔ ایسی صورت میں جن شرائط پر صلح ہوئی ان کی پابندی لازمی ہو گی کسی کو اس میں تغیر و تبدل یا کمی و بیشی کا حق نہ ہو گا۔ اگر صلح

میں یہ شرط تھی کہ اراضی سابقہ مالکوں کے قبضہ وتصرف میں رہے گی اس شرط کو پورا کیا جائے گا۔ البتہ ان کی زمینوں پر خراج اور غیر مسلموں پر جزیہ مقرر کر دیا جائے گا۔ جو سالانہ بیت المال میں جمع ہو گا۔ اگر غلبہ اور قہر سے فتح ہونے والی اراضی اور ملک ہو تو اسی صورت حال میں امام المسلمین کو اراضی مملوکہ کے بارے میں تین طرح کے اختیارات حاصل ہیں۔

امام المسلمین کے اراضی مملوکہ کے متعلق اختیارات

اول

مالِ غنیمت کی طرح اراضی کو بھی تقسیم کر دے۔ خمس یعنی پانچواں حصہ بیت المال کے لیے نکال کر باقی چار حصوں کو غانمین میں تقسیم کر دے۔ خیبر کی اراضی کے حوالے سے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہی معاملہ فرمایا کہ خمس نکال کر چار حصے ملک فتح کرنے والوں میں یعنی (غانمین) میں تقسیم فرمادیجئے۔

عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ، قَالَ: «لَمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْبَرَ، قَسَمَهَا عَلَى سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ سَهْمًا، جَمَعَ كُلُّ سَهْمٍ مِائَةَ سَهْمٍ، فَعَزَلَ نِصْفَهَا لِنَوَائِبِهِ وَمَا يَنْزِلُ بِهِ، الْوَطِيحَةَ وَالْكُتَيْبَةَ، وَمَا أُحِيزَ مَعَهُمَا، وَعَزَلَ النِّصْفَ الْآخَرَ، فَقَسَمَهُ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ الشِّقَّ وَالنَّطَاةَ، وَمَا أُحِيزَ مَعَهُمَا، وَكَانَ سَهْمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا أُحِيزَ مَعَهُمَ۔[38]

بشیر بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے خیبر اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور غنیمت عطا فرمایا تو آپ نے اس کے چھتیس حصے کئے اور ہر حصے میں سو حصے رکھے، تو اس کے نصف حصے اپنی ضرورتوں و کاموں کے لیے رکھا اور اسی میں سے وطیحہ وکتیبہ اور ان سے متعلق جائیداد بھی ہے اور دوسرے نصف حصے کو جس میں شق و نطاۃ ہیں اور ان سے متعلق جائیداد بھی شامل تھی الگ کر کے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ ان دونوں گاؤں کے متعلقات میں تھا۔

ابو عبید کتاب الاموال میں رقمطراز ہیں:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْهِ خَيْبَرَ قَسَّمَهَا عَلَى سِتَّةٍ وَثَلَاثِينَ سَهْمًا جَمْعُ كُلِّ سَهْمٍ مِنْهَا مِائَةُ سَهْمٍ، وَعَزَلَ نِصْفَهَا لِنَوَائِبِهِ وَمَا يَنْزِلُ بِهِ، وَقَسَّمَ النِّصْفَ الْبَاقِيَ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ. وَسَهْمُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا قَسَّمَ: الشَّقُّ وَالنَّطَاةُ وَمَا حِيزَ مَعَهُمَا، وَكَانَ فِيمَا وَقَفَ: الْكَتِيبَةُ وَالْوَطِيحَةُ وَسُلَالِمُ[39]

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو جب خیبر سے فئے ملا تو اس کو چھتیس سو حصوں میں تقسیم کیا۔ نصف مصالح عامہ کے لئے بیت المال کا حصہ قرار دیا اور باقی نصف مجاہدین میں تقسیم کیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے الشق، النطاق اور اس کے ملحقہ زمینوں کو تقسیم کیا۔ جبکہ کتیبہ وطیحہ اور سلالم کی زمینوں کو مسلمانوں کے مصالح عامہ کے لئے بیت المال کی اراضی بنا دیا۔

دوم

امام کے پاس دوسرا اختیار یہ ہے کہ مفتوحہ اراضی سے لوگوں کی زمینیں انہی کی ملکیت میں رہیں ان کی زمینوں پر خراج اور ان پر جزیہ مقرر کر دے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مکہ کی زمین سے متعلق یہی معاملہ فرمایا: کہ ان کے اصل مالکوں کی ملکیت بر قرار رکھی۔ حضرت عمر فاروق نے عراق، شام اور مصر کی مفتوحہ زمینوں کے حوالے سے یہی دستور اختیار کیا کہ زمینوں کو تقسیم کے مطالبہ کے باوجود تقسیم نہیں کیا بلکہ بدستور قائم رکھا تاکہ ان کا خراج مسلمانوں کی آئندہ نسلوں کے لیے دائما محفوظ رکھا۔

البدائع الصنائع میں امام الکاسانی لکھتے ہیں:

وَأَمَّا الْأَرَاضِي فَلِلْإِمَامِ فِيهَا خِيَارَانِ إِنْ شَاءَ خَمَّسَهَا وَيَقْسِمُ الْبَاقِيَ بَيْنَ الْغَانِمِينَ لِمَا بَيَّنَّا، وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهَا فِي يَدِ أَهْلِهَا بِالْخَرَاجِ وَجَعَلَهُمْ ذِمَّةً ۔[40]

"مفتوحہ زمین سے متعلق امام کے پاس دو اختیارات ہیں۔ ایک یہ کہ خمس نکال کر باقی زمین غانمین میں تقسیم کر دے۔ یا پھر اس کو اس لوگوں کے سپرد کر دے اور ان کو ذمی بنا لے۔"

امام ابو بکر جصاص اپنی معرکہ آراء کتاب احکام القرآن میں لکھتے ہیں:

لاتخلوا الارض المفتحة عنوة من ان تكون للغانمين لا يجوز للامام صرفها عنهم بحال لابطيبة من انفسهم اوان يكون الامام مجرابين اقرار اهلا على املاكهم فيها ووضع الخراج عليها وعلى رقاب اهلها على ما فعله عمر فى ارض السواد فلما اتفق الجميع من الصحابة على تصويب عمر فيما فعله فى ارض السواد بعد خلاف من بعدهم عليه۔[41]

اس اختیار کے تحت اراضی مملوکہ قدیم باشندگان وطن کی ملکیت میں بدستور رہے گی۔ نہ بیت المال کا حصہ حکومت کی صورت میں لیا جائے گا اور نہ ہی غانمین کو اس میں تصرف کا حق ہو گا۔ صرف ان زمینوں کا خراج بیت المال کا حق ہو گا جو ہمیشہ مصارف خراج میں صرف ہوتا رہے گا اور مسلمانوں کی آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس سے فائدہ اٹھائیں گی۔

سوم

وہ اراضی مملوکہ جن کو قہر وغلبہ اور فوجی طاقت کے ساتھ فتح کیا گیا کہ بارے میں حاکم اور امام کو یہ اختیار بھی ہے کہ اراضی کو نہ غانمین میں تقسیم کرے اور نہ ہی ان کو سابقہ مالکان کی ملکیت میں رہنے دے بلکہ ان کو نکال کر ان کی زمینوں کو بیت المال میں شامل کر دے اور بیت المال کی طرف سے ان کی زراعت اور آبادکاری کا انتظام ہو۔ یہ تمام ملک کی اراضی مملوکہ کے ساتھ معاملہ کیا جائے یا بعض کے ساتھ یہ معاملہ باقی کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو سطور بالا میں ذکر کیا گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عراق کی زمینوں میں سے دس قسم کی زمینیں بیت المال کے لیے مخصوص فرمائی تھیں اور باقی پر سابقہ مالکان کی ملکیت برقرار رکھ کر ان سے خراج کا معاملہ فرمالیا۔

مزارعت کا جواز

غزوات و سرایا نبوی کی معاشی جہات میں سے ایک جہت مزارعت کا جواز بھی ہے۔ کیونکہ غزوہ حنین میں مال غنیمت میں حاصل ہونے والی زمین کو نبی کریم ﷺ نے تقسیم نہیں کیا بلکہ ان کے اصل مالکان کو ہی مزارعت پر دی۔ خاص طور پر خیبر اور تبوک جیسے علاقوں میں زمین کی تقسیم کی بجائے اصل مالکان کے پاس رہیں اور ان کی آمدن کو بیت المال میں جمع کروا دیا گیا۔

مزارعت کی تعریف

امام سرخسی نے مزارعت کی درج ذیل تعریف کی ہے:

العقد الذى يجرى بين اثنين لهذا المقصود[42]

ایسا عقد جو اس مقصد (طلب رزق) کے لیے دو افراد کے درمیان منعقد ہو۔

اس تعریف میں مزارعت کو بہت اچھے انداز میں بیان کیا گیا ہے کیونکہ مزارعت میں شرکت کے بکثرت احکام موجود ہیں۔

غزوہ خیبر کی اراضی کو نبی کریم ﷺ نے انہی کے مالکان کے پاس رہنے دیا اور آمدن سے مخصوص حصہ بیت المال میں جمع ہو جاتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مزارعت بھی غزوات و سرایا کے اثرات اور جہات میں سے ایک اہم اثر اور جہت ہے۔

اکتنازِ دولت کا خاتمہ

غزوات و سرایا نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے معاشی اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دولت چند مخصوص ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ اصل مستحقین تک کسی صورت نہ پہنچے۔ چند بااثر افراد و اقوام ہی مکمل طور پر مستفید ہوں باقی محروم ہو کر مفلسی اور غربت کی زندگی بسر کریں۔ اکثر معاشروں اور ملکوں میں یہ ہوتا ہے کہ قومی خزانہ پر چند مخصوص افراد کا قبضہ ہوتا ہے اور وہ اس کو ذاتی مقاصد کے لیے بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اس سے بہت سے لوگوں کا معاشی استحصال ہوتا ہے اور افراد معاشرہ ضروریات زندگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اس سے معاشرہ طبقات میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ مستحقین کے دلوں میں عمال ریاست اور امراء کے بارے میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ نبی کریم ﷺ نے غزوات میں سے حاصل شدہ مال غنیمت میں سے خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال غرباء و مساکین اور اعزاء و اقارب میں تقسیم کیا تھا۔ اور بیت المال میں جمع ہونے والا مال غنیمت بھی عوام الناس کی فلاح و بہبود اور بنیادی ضروریات زندگی کو پورا کرنے کے لئے صرف کیا جاتا تھا۔ سورہ حشر میں مال فئے کی تقسیم اور اس کے مصارف کا ذکر ہے:

> مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَما آتاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقابِ۔[43]
>
> اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے جو مال دلوایا ہے، تو وہ اللہ، رسول (رسول کے) قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ تم میں سے مالداروں ہی کے درمیان (دولت) گردش نہ کرتی رہے اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں، اسے لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جایا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ سخت سزا دینے والے ہیں۔

اس آیت مبارکہ میں دو باتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ اس مال کے مصرف کون کون لوگ ہیں؟ دوسرے کس قسم کے لوگوں میں سے ان مصارف کا انتخاب کہا کیا جائے گا تو مصارف پانچ بنائے گئے۔

مالِ غنیمت کے مصارف

اول: اللہ کے رسول ﷺ: تاکہ آپ ﷺ کی خانگی زندگی کی ضروریات پوری ہوں۔

دوم: قرابت دار کیونکہ وہ آپ ﷺ کی نصرت و اعانت میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور آزمائش کے وقت بھی آپ ﷺ کے ساتھ کھڑے رہے ہیں نیز ان کے لئے زکوۃ بھی حرام کی گئی تھی۔

سوم: یتیموں کی مدد کی جائے تو اس وقت مسلمانوں پر جو حملہ کئے جا رہے تھے، اس کی وجہ سے یتیم بچوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی۔

چہارم: مساکین

پنجم: مسافران کو محتاج اور ضرورت مند ہونے کی وجہ سے شامل کیا گیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے اموالِ غنیمت اور فئے صرف چند مخصوص لوگوں کے ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہتے بلکہ بہت سے لوگ اس سے اپنا طے شدہ حصہ وصول کر کے خوشحال زندگی گزار سکتے ہیں۔

سورہ حشر کی آیت نمبر 7 میں مزید ایک اصولی بات کی طرف اشارہ ملتا ہے وہ یہ کہ کہ اسلام ایسے معاشی نظام کو پسند نہیں کرتا جس میں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جائے جیسا کہ سرمایہ دارانہ نظام ہے اسلام سے قبل جنگ میں حاصل ہونے والا مال صرف لڑنے والوں کی یا ان کے سرداروں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی اسلام نے اس میں بھی عوام کا حق مقرر کر دیا اس طرح

سود اور جوا کو حرام کر دیا گیا جس کے ذریعے بہت سے لوگوں کی دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی تھی تا کہ دولت اور اس کے وسائل کا زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ ہو اور لوگوں کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملے۔

وسائل کا مقامی لوگوں کے لئے استعمال

بسا اوقات جنگوں میں یہ معاملہ اور صورتحال دیکھنے کو ملتی ہے کہ فاتح قوم اور فوج، مفتوح قوم اور فوج کے وسائل کو لوٹ کر اپنے علاقوں یا دور دراز ملکوں کی طرف منتقل کرتے ہیں اور مفتوح قوم قسم پرسی اور مفلوک الحالی میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ان کے ساتھ صریح ناانصافی اور ظلم ہے۔ غزوات و سرایا کی معاشی جہات میں سے ایک صریح جہت اور شق یہ بھی ہے کہ اگر کسی بھی غزوہ یا سریا سے مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہو یا مال فئے کی صورت میں کوئی زمین یا پیداوار اور مال ومتاع حاصل ہو تو اس حاصل شدہ مال یا اس زمین کو خود اس مخصوص قوم یا فوج کے لوگوں میں سے تقسیم کیا گیا تا کہ ان کی مالی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور آپ ﷺ کے اس اقدام سے ان کی دوبارہ بحالی اور آبادکاری کے لیے ایک احسن طریقہ اختیار کیا گیا مثلاً فتح خیبر کے موقع پر ان کی زمین انہیں لوگوں میں تقسیم کی گئی تا کہ کھیتی باڑی کر کے خود بھی خوشحال ہو اور مرکز کو بھی طے شدہ حصہ پہنچائیں۔ نبی کریم ﷺ نے خیبر کی زمین یہود کو دی:

> أَنَّ رَسُوْلَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَى خَيْبَرَ الْيَهُودَ، عَلَى أَنْ يَعْمَلُوهَا وَيَزْرَعُوهَا، وَلَهُمْ شَطْرُ مَا خَرَجَ مِنْهَا۔[44]
>
> حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے یہودیوں کو خیبر کی زمین اس شرط پر دی کہ وہ اس کو درست رکھیں اور اس میں کھیتی باڑی کریں تو اس کی پیداوار سے ان کو نصف ملے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ غزوات و سرایا میں حاصل شدہ زمین ان کے اصل مالکان میں تقسیم کی جاتی تھیں۔ تا کہ وہ خود بھی روزی کما سکیں اور نصف حصہ مرکز کو بھی دیں۔

نبی مکرم ﷺ کی معاشی پالیسی جو مختلف غزوات و سرایا میں سامنے آتی ہے وہ یہ کہ کسی کافر یا غیر مسلم کو بالکل تنہا نہ چھوڑا جائے بلکہ اس پر احسان کرتے ہوئے اس سے معاشی فائدہ حاصل کیا جائے اور اس کو بھی معاشی طور پر مضبوط کیا جائے عہد فاروقی میں بھی عراق کی زمینوں کو ان کے اصل مالکان میں تقسیم کر کے اس عہد زریں کے اصولوں کو زندہ جاوید رکھا گیا کہ مسلمان غاصب نہیں بلکہ دوسروں کو زندہ رہنے اور بہتر زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرنے والے ہیں۔ برعکس عصر حاضر کی جدید جنگوں کے، یہاں معاملہ بالکل برعکس ہے۔ پہلے جنگ مسلط کر کے ان کا جینا دوبھر کر دیتے ہیں اور رہی سہی کسر ان کے وسائل کو لوٹ کر ان کو زندگی اور موت کی کشمکش میں چھوڑ جاتے ہیں ان کو بحالی اور آبادکاری میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

خلاصۂ بحث

غزوات و سرایا نبوی ﷺ کے ہمہ جہت اور مختلف النوع اثرات تھے۔ قیامِ امن میں ان کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ان غزوات و سرایا کی بدولت عرب سماج میں لوگوں نے چین سے زندگی گزارنے کے گر سیکھے اور شر پسند عناصر کی بیخ کنی ہوئی۔ فتنہ کا خاتمہ ہوا، لوگوں نے انسانی غلامی کی مختلف اشکال سے نجات حاصل کی اور عقیدے کی آزادی اور اسلامی عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کے مواقع میسر ہوئے۔ قریش مکہ کی زندگی کا انحصار اور ان کی پوری معیشت کا دارومدار تجارت پر تھا جس کے لیے وہ مدینہ کے پاس سے گزرنے والی تجارتی شاہراہ کو استعمال کرتے تھے، ہجرتِ مدینہ کے بعد جب نبی کریم ﷺ نے مختلف سرایا بھیجے تو قریشِ مکہ کی تجارتی سرگرمیاں متاثر ہوئی اور ان کے اسلام مخالف رویے میں واضح فرق نظر آیا۔ مختلف غزوات و سرایا کا مقصد ان کی تجارتی ناکہ بندی تھا تا کہ اس عمل کے ذریعے ان پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ عقیدے کی آزادی کی راہ

میں روکاوٹیں کھڑی نہ کریں۔ جنگ میں فتح وکامرانی کی صورت میں مالِ غنیمت بھی حاصل ہوا اس حاصل کردہ مال کی تقسیم کے اصول و قواعد مقرر کیے گئے جن کی بدولت ہر مجاہد کی اس کا مقرر کردہ حصہ ملا اور عام مسلم رعایا کو بھی اس سے استفادہ کرنے کا موقع ملا اس طرح دولت محض مخصوص لوگوں میں محدود رہنے کی بجائے ہر عام آدمی تک پہنچا تاکہ خوشحال زندگی گزار سکے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کے لیے ہمہ وقت تیار ہو۔ بسا اوقات فاتح قوم یا فوج، مفتوح قوم کے وسائل کو لوٹ کر اپنے علاقوں کی طرف منتقل کرتے نظر آتے ہیں اور مفتوح قوم مفلوک الحال اور بے بس ہو جاتی ہے۔ دوبارہ اپنی آباد کاری کی فکر ہمیشہ دامن گیر رہتی ان کی ساری صلاحیتں اور وسائل اس میں صرف ہو جاتے ہیں۔ جبکہ غزوات و سرایا میں ایسا بالکل بھی نہیں کیا گیا بلکہ فتح کے بعد وسائل کو اسی علاقے کے لوگوں کے لیے ہی استعمال کیا گیا جیسا کہ غزوۂ خیبر میں آپ ﷺ نے کیا تھا۔ یہ اسوہ عصرِ حاضر لیے بھی مشعلِ راہ ہے۔

References

[1] Ibn-e-Manzūr al-Afrīqī, Lisān al-Arab (Beirūt: Dār Ṣādar, 1414AH), 15: 123.
l, āHil-r Maktbah alāt: Dūn (BeirīA‘-b alā, KitīdīhāFar-mad Alḥl Ibn AīKhal [2] 2007AD), 4: 433.
[3] Syad Jamīlī, Ghazwāt al-Nabī (Beirūt: Dār Maktba al-Hilāl), 14.
[4] Taqī al-Dīn al-Maqrīzī, Amtā’e al-Ismā’ (Beirūt: Dār al-Kūtūb al-‘Almiya, 1999AD), 8: 330.
[5] Shiblī Nu‘mānī, Sīrat al-Nabī (Lahore: Al-Faiṣal Tājrān-o-Nāshrān, 1999AD), 1: 348.
[6] Idrīs Kāndhlvī, Sīrat al-Muṣṭfā (Dihlī: Farīd Book Dipū, 2001AD), 2: 44.
[7] Al-Afrīqī, Lisān al-Arab, 14: 381.
[8] Al-Afrīqī, Lisān al-Arab, 14: 381.
[9] Al-Afrīqī, Lisān al-Arab, 14: 381.
[10] Al-Afrīqī, Lisān al-Arab, 14: 381.
[11] Aḥmad Ibn Muhammad Al-Fyūmī, Al0Miṣbāḥ al-Munīr Fī Gharīb al-Sharah al-Kabīr (Beirūt: Al-Ilmiya), 1: 275.
[12] Imām Rāghab Aṣfhānī, Al-Mufridāt al-Quran(Lahore: ‘Irfān Afẓal Press), 2: 221.
[13] Al-Naḥal 16: 110.
[14] Al-Naḥal 16: 217.
[15] Yūnūs 10: 83.
[16] Al-Asrā 17: 73.
[17] Al-Aḥzāb 33: 14.
[18] Al-Anfāl 8: 73.
[19] Al-Baqarh 2: 38.
[20] Syad Qūṭub, Fī Zilāl al-Quran (Al-Qāhira: Dār al-Sharūq, 1412AH), 3: 400.
[21] Abdul Raḥmān Kailānī, Taisīr al-Qurān(Lahore: Maktba al-Salām, 2007AD), 2: 153, 154.
[22] Muhmmad Ibn Aḥmad Qurṭbī, Al-Jām‘ Lī Aḥkām al-Qurān (Lahore: Zia al-Qurān Publications, 2012AD), 1: 808.
[23] Abū al-A‘alā Madūdī, Tafhīm al-Qurān (Lahore: Idārh Tarjmān al-Qurān, 1974AD), 1: 151.
[24] Muhammad Ibn Ismā‘īl Al-Bukhārī, Al-Jām‘ al-Ṣaḥīḥ, Ḥadīth: 2757.
[25] Nūr Muhammad Ghafārī, Nabī Karīm Kī Ma‘āshī Zindgī (Lahore: Dayāl Singh Turst Library, 1999AD), 189.
[26] Muhammad Ibn Amar al-Wāqdī, Kitāb al-Maghāzi (Beirūt: Ālam al-Kūtūb), 1: 197.
[27] Ghafārī, Nabī Karīm Kī Ma‘āshī Zindgī, 197.
[28] Baryak Ibn Baryak al-‘Amrī, Al-Sarāya wa al-Ba‘ūth al-Nabvya Ḥaul al-Madīna wa Makah (Al-Damām: Dār Ibn al-Jauzī, 1417AH), 86.
[29] ‘Amād al-Dīn Khalīl, Darāsat Fī al-Sīrah (Beirūt: Mausū‘a al-Risālah), 171.

[30] Ḥamīd Ullah, Muhammad Rasūl Allah (Lahore: Kitāb Sarāy), 69.
[31] Ḥamīd Ullah, Muhammad Rasūl Allah, 67, 68.
[32] Kāmal Salāmah Al-Duqus, Daulat al-Rasūl Min al-Takwīn Ilā al-Tamkīn (A'mān, Dār 'Amār al-Nashar wa Tauzī', 1994AD), 532.
[33] Muhammad Ibn 'Īẓah, Ghazwa Auḥad Darāsat Da'wiya, 24.
[34] Maunas Ḥusain, Darāsat Fī al-Sīrah al-Nabwya (Qāhira: Dār al-M'ārif, 1998AD), 19.
[35] Al-Anfāl 8: 41.
[36] Ghafārī, Nabī Karīm Kī Ma'āshī Zindgī, 262.
[37] Muslam Ibn Al-Ḥajāj, Al-Jām' al-Ṣaḥīḥ, Ḥadīth: 20.
[38] Abū Dāud, Sunan Abū Dāud (Beirūt: Maktbah al-'aṣriya), Ḥadīth: 3013.
[39] Abū 'Abaid Qāsim, Kitāb al-Amwāl (Beirūt: Dār al-Fikar), 143.
[40] 'Alāu Dīn Al-Kāsānī, Al-Badā' al-Ṣanā' (Beirūt: Dār al-Kutub al-Ilmiya, 1415AH), 3: 530.
[41] Abū Bakar al-Jaṣāṣ, Aḥkām al-Qurān (Beirūt: Dār al-Kutub al-Ilmiya, 1415AH), 3: 530.
[42] Muhammad Ibn Abī Al-Sarkhasī, Al-Mabsūṭ (Beirūt: Dār al-Ma'rifah, 1412AH), 3: 22.
[43] Al-Ḥashar 59: 07.
[44] Al-Bukhārī, Al-Jām' al-Ṣaḥīḥ, Ḥadīth: 248.